(غلام گردش)

قانون یا انصاف کی حکومت؟

پاکستان بننے سے لیکر آج تک بنیادی مسائل اور نکتوں پر ایک صائب رائے تشکیل نہیں دے پائے۔ غیر جذباتیت سے جذباتیت کے سفر تک، ٹھوس اور واضح سوچ تشکیل ہونے سے پہلے ہی لحد میں اُتار دی گئی۔ آہستہ آہستہ وہی ہوا، جو ناکام ریاستوں میں ہوتا ہے۔ ذہنی، فکری، سماجی، مذہبی اور معاشی انتشار۔ یہ تمام مسائل آج کی مملکت خداداد میں اژدہے بنکر کھڑے ہو چکے ہیں۔ چار پانچ دہائیاں پہلے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ بات ہو سکتی تھی۔ مگر آج کل تو مکالمہ کا امکان ہی نہیں ہے۔ ہر ادارہ، دفتر، سیاستدان بلکہ ہر قابل ذکر بندہ صرف اپنی بات کو سچ گردانتا ہے۔ باقی لوگ اسکے لیے دشمنِ عظیم بلکہ شیطان کا درجہ رکھتے ہیں۔

نام سے آغاز کیجئے۔ سمجھایئے کہ ہم اسلامک ریپبلک کیسے ہیں۔ طنز نہیں کر رہا۔ معاف فرمایئے گا، ہم ایک مسلمان ملک ہیں۔ اسلام کی ظاہری شکل کو ہم اپنے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ مجھے اس ملک میں ایک انچ خطہ دکھا دیں جہاں ہمارے انقلابی دین کی رَتی بھر بھی اصولی عملداری ہو۔ خیر اس بحث سے گریز کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ ایک مخصوص طبقے کیلئے قطعاً قابل بحث نہیں ہے۔ بہرحال آج اس مفروضہ پر بحث کرنا چاہتا ہوں جسے قانون کی حکمرانی (Rule of Law) کہا جاتا ہے۔ کسی فورم پر چلے جایئے۔ کسی کانفرنس میں شرکت کریں۔ کسی بحث کا حصہ بن جایئے۔ کوئی نہ کوئی اخلاقی سورما اُٹھے گا اور سمجھائے گا کہ تمام مشکلات اور مصائب کا حل صرف اور صرف ایک ہے کہ مملکت خداداد پاکستان میں قانون کی حکمرانی کو یقینی بنائیں۔ انتہائی قابل وکلاء، سول سوسائٹی کے فعال ارکان اور دانشور پورے وثوق سے پورے ملک کو بارہا سمجھاتے ہوئے نظر آئینگے کہ جناب ہمیں صرف اور صرف ایک شے کی ضرورت ہے اور وہ ہے قانون کی حکمرانی۔ اگر یہ ہو جائے تو ملک منٹوں میں درست سمت میں چل پڑیگا اور ترقی کا دروازہ ہم سب پر کھل جائیگا۔ کسی کو بھی اجازت نہیں کہ اس مفروضہ کے خلاف کوئی رائے دے سکے۔ قانون کی حکومت کی عملداری کے تین فریق ہیں۔ عدالتیں، پروسیکیوشن اور پولیس۔ پولیس تفتیش کرتی ہے، مقدمہ، عدالت میں پیش کیا جاتا ہے اور عدالتیں فیصلہ کرتی ہیں۔ ویسے ایک فریق اور بھی ہے اور وہ ہے جیل۔ جہاں مجرموں اور ملزموں کو مقید رکھا جاتا ہے۔ ابھی عرض نہیں کر رہا کہ نظامِ قانون کی مشین سے کیا برامد ہو رہا ہے۔ اس پر سنجیدہ بحث بہرحال اَز حد ضروری ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کیا۔ طالبعلم کی دانست میں کسی بھی معاشرہ، قوم، ریاست یا انسان کو دراصل تمام معاملات میں انصاف چاہیے۔ وضاحت سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ اصل نکتہ "انصاف کی حکومت" ہے نہ کہ قانون کی۔ یہ بالکل سادہ سی بات ہے۔ اگر کسی بھی ریاست کا قانونی نظام، انصاف کے اعلیٰ معیار پر پورا نہیں اُتر رہا، تو بحث ہونی چاہیے۔ کہ یہ نظام اپنے تشکیل شدہ مقصد میں کیوں ناکام ہو رہا ہے۔ انتہائی سنجیدگی اور غیر جانبداری کے ساتھ پورے نظام کو جوہری طور پر تبدیل کرنے کی کوشش کرنی لازم ہے۔ کیونکہ اگر ایک مختص نظام اپنے قیام کے بنیادی اہداف حاصل کرنے میں ناکام ہے، تو متبادل معاملہ کو سوچنا ایک فطری بات ہے۔ دوبارہ عرض کرونگا۔ ہمیں قطعاً قانون کی حکومت نہیں چاہیے۔ ہمیں "انصاف کی حکومت" کا حامی بننا چاہیے۔

دائی سی نیواسا ہندوستان کا ایک مستند قانون دان ہے۔قانون کی چوٹی کی ڈگریاں حاصل کر چکا ہے۔2012 میں برصغیر میں تقسیم سے پہلے کے نظامِ انصاف پر حیرت انگیز تحقیق کی ہے۔ یہ ایک مقالہ کی صورت میں شائع کی گئی ہے۔دائی سی نیواسا بذات خود بھی ایک جج ہے۔ یہ رپورٹ یا مضمون انتہائی اہم ہے۔اسکی پیشانی پر لارڈ میکالے کا قول درج ہے۔"ہم برصغیر کو ایک بہتر حکومت دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم انکو ایک آزاد حکومت نہیں دے سکتے"۔اسی جملے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ تمام نظام ایک غلام قوم کو انگھوٹھے کے نیچے رکھنے کیلیے ترتیب دیا گیا تھا۔انصاف کی حقیقی فراہمی سے اسکا واجبی سا تعلق تھا۔واجبی بھی پوری طرح عکاسی نہیں کرتا۔قیام کے وقت رعایا کو انصاف کی فراہمی کا قطعاً کوئی مقصد نہیں تھا۔رنجیت سنگھ کی وفات کے بیس برس بعد پورا ہندوستان مکمل طور پر برطانوی گرفت میں آچکا تھا۔برطانوی حاکموں کو اندازہ تھا کہ برصغیر میں مقامی نظامِ عدل صدیوں سے انتہائی سرعت اور پختگی سے انصاف فراہم کر رہا ہے۔مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اپنے عقیدہ کے حساب سے قانون کے مطابق مقامی عدالتوں سے فیصلے لے رہے تھے۔کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں تھی۔مسلمانوں کیلئے قاضی مقرر تھے۔نوے فیصد فیصلے پنچائتی نظام کے تحت سنائے جاتے تھے۔ ہندوؤں کیلئے انکے قانون کے مطابق الگ مقامی عدالتیں تھیں۔سلاطین دہلی سے لیکر مغلوں کی فعال مرکزی حکومتوں تک حصول انصاف کے معاملات درست طریقے سے طے ہو رہے تھے۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے عمائدین سمجھ چکے تھے کہ وہ اس قوم کو اس وقت تک غلام نہیں بنا سکتے جب تک انہیں ایک ایسے بے رحم نظام کے حوالے نہ کر دیا جائے، جو انکی روایات، رسم و رواج اور معاشرتی معاملات سے میل نہ رکھتا ہو۔انتہائی چالاکی سے ایک ایسا نظام رائج کیا جو انکے اپنے ملک یعنی برطانیہ تک میں موجود نہیں تھا۔اسکو غلام ملک میں بغیر کسی تحقیق کے نافذ کر دیا گیا۔آج کے عدالتی نظام کی بنیاد ملکہ برطانیہ کا وہ فرمان ہے جو اس نے 1624 میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیا تھا۔اسکے تحت کمپنی نے اپنی حد تک ایک عدالتی نظام قائم کیا تھا۔مگر یہ صرف اور صرف کمپنی کے فوجی اور سول ملازمین تک محدود تھا۔1652 میں مدراس میں عوام کیلئے ایک ایسی عدالت قائم کی گئی جو دیوانی معاملات میں معمولی قرض دہندگان کے متعلق فیصلے کرتی تھی۔اسکے علاوہ نقص امن کے معاملات بھی دیکھتی تھی۔مقصد بالکل صاف تھا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے مالی مفادات کو یقینی بنانے کیلئے ایک نظام کی بنیاد رکھی گئی تھی۔مدراس سے یہ غیر ملکی نظام بمبئی میں لایا گیا اور پھر پورے بنگال میں نافذ کر دیا گیا۔برصغیر میں ہائیکورٹ کا کوئی وجود نہیں تھا۔1861 میں ہائیکورٹس وجود میں آئیں اور پھر یہ معاملہ پورے برصغیر میں رائج ہو گیا۔تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔کیونکہ مقصد کسی کو اُلجھانا نہیں۔نا ہی کسی ادارے کے متعلق منفی تاثر قائم کرنا ہے۔طالبعلم کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ جس "رول آف لاء" کی تعریفیں کرتے کرتے ہم بے دم ہوئے جا رہے ہیں، اسکا ہماری روایات، سماجی، معاشی اور خطے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔نکتہ بہت باریک ہے۔گورے کا مقصد قطعاً ہمیں انصاف دینا نہیں تھا۔وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ ہمارے مقامی نظام کی توہین کی جائے اور ایک ایسا متبادل نظام کھڑا کر دیا جائے جس سے مقامی لوگوں کو انصاف کے نام پر دبایا جا سکے۔ساتھ ساتھ نئے عدالتی نظام کے مضبوط سٹیک ہولڈرز (Stakeholders) پیدا کیے گئے، جنکے مالی مفاد اس نئے نظام کے برقرار رہنے میں پوشیدہ تھے۔نتیجہ یہ نکلا کہ ہر قصبے تک عدالتی نظام پہنچ گیا مگر اس میں سے انصاف غائب ہو گیا۔

تحقیق کی بنیاد پر گزارش کر رہا ہوں کہ موجودہ نظامِ عدل کا ہمارے خطے کی مٹی سے کوئی تعلق نہیں۔قطعاً یہ نہیں کہہ رہا کہ صدیوں پرانے انصاف کے ادارے بہت بہتر کام کر رہے تھے۔مگر ایک آزاد اور خودمختار ملک کے طور پر ہمیں غور وفکر کرنا چاہیے کہ ہمارا مقامی پنچائتی نظام اتنا مضبوط کیوں تھا۔اس میں ناانصافی کیوں ناممکن تھی۔اس میں سائل کے اخراجات حد درجہ کم کیوں تھے۔انکے فیصلے اتنے شفاف کیونکر تھے۔پاکستان کے ایک چوٹی کے وکیل کا فقرہ یاد آرہا ہے۔بارہا کہتا تھا"عدالت میں جھوٹ کے علاوہ کچھ بھی بولنا ناممکن ہے۔اور پنچائیت میں صرف اور صرف سچ بولا جاسکتا ہے"۔کسی قبائلی یا جاہلانہ نظام کی طرف داری نہیں کر رہا۔مگر کیا وجہ ہے کہ پورے نظام عدل میں عام لوگوں کی کوئی شمولیت نہیں ہے۔امریکہ کی جیوری سسٹم دیکھیے۔جیوری کے ممبران عام لوگ ہوتے ہیں۔ان میں کوئی بھی قانون دان نہیں ہوتا۔جیوری کے ممبران میں ڈرائیور،بینکر،اساتذہ،ڈاکٹر یا بغیر پڑھے لکھے لوگ تک شامل ہوتے ہیں۔انہیں قانون کی پیچیدگیوں کا معمولی سا بھی علم نہیں ہوتا۔وکلاء کی بحث کو غور سے سنتے ہیں۔اسکے بعد بند کمرے میں بیٹھ کر گھنٹوں بحث کرتے ہیں۔شہادتوں کو پرکھتے ہیں اور ایک فیصلہ کر دیتے ہیں۔عام شہریوں کا کیا گیا فیصلہ ہی عدالتی فیصلہ بن جاتا ہے۔سب کچھ معمولی جرائم تک محدود نہیں تھا۔جیوری،قتل،اقدام قتل،ڈاکے،چوری،ریپ یعنی بھیانک ترین جرائم پر بھی فیصلہ صادر کرتی ہے۔دیکھا جائے تو یہ ہمارے مقامی پنچائتی نظام کی ایک بہتر شکل ہے۔

سو مرتبہ گزارش کرونگا کہ مقصد موجودہ عدالتی نظام کے متعلق کوئی منفی تاثر قائم کرنا نہیں۔تمنا صرف یہ ہے کہ پورے عدالتی نظام کو موثر بنایا جائے۔اسکی ہیت میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔انساف کی فراہمی کو تیز رفتار بنایا جاسکے بلکہ برق رفتار بنایا جائے۔اسکے ساتھ ساتھ اس پر بھی کڑی نظر رکھی جائے کہ فراہم کردہ عدل کا معیار کتنا بلند ہے۔غیر معیاری انصاف بھی بے انصافی کے زمرے میں آتا ہے۔آج لاکھوں لوگ ہماری عدالتوں میں دھکے کھاتے نظر آتے ہیں۔پولیس کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہوتے ہیں۔جیلوں میں جا کر جرم کرنے پر عبور حاصل کر لیتے ہیں۔انصاف لینا کم از کم ہمارے نظام میں تو ناممکن ہے۔طوالت اس درجہ زیادہ ہے کہ مقدمہ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ہم دراصل عدالتی پراسس کو انصاف کا درجہ دے رہے ہیں۔یاد رکھنا چاہیے کہ انگریز قطعاً بیوقوف نہیں تھا۔وہ ہم پر حکومت کر رہا تھا۔اگر اسکا مقامی مروجہ کردہ نظام اس درجے اعلیٰ ہوتا تو یہ سب کچھ اپنے ملک میں رائج کیوں نہیں کیا۔دراصل گورا بادشاہ ہمیں قانون کی کتابیں دے گیا اور انصاف اپنے ملک یعنی برطانیہ میں لے گیا۔حقیقت میں ہمیں قانون کی نہیں بلکہ انصاف کی حکومت چاہیے!

راؤ منظر حیات